ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی

قرآن حکیم اور متجددین

یہ مقالہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام
سالانہ محاضراتِ قرآنی منعقدہ مارچ ۱۹۹۰ء میں پڑھا گیا

امتِ مسلمہ تین حوالوں سے بڑی ہی خوش بخت اور خوش نصیب ہے:

اولاً ... اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں علم و بصیرت اور اعتدال و توازن پر مبنی روشن، کامل، عالمی اور پسندیدہ دین حق سے نوازا۔

ثانیاً ... رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین، کافۃ للناس، للعالمین نذیرا اور سراجاً منیراً کے حوالے سے ہماری رہنمائی کیلئے ایک ایسے ہادیٔ اعظم کو مبعوث فرمایا جسے بجا طور پر ہادیانِ عالم میں ایک اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے۔

ثالثاً ... اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کے حوالے سے ہمیں ایک محفوظ اور جامع کتابِ مقدس عطا فرمائی گئی جو ربِ کائنات کی طرف سے اپنے بندوں کیلئے مختلف زمانوں میں نازل کی گئی جملہ ہدایتِ ربانی کا نچوڑ ہے۔

قرآن حکیم وہ صحیفۂ انقلاب ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر ہر گوشے کو منور کیا۔ ارشاد ربانی ہے:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ○

مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کے بقول:

"یہ سب صفات قرآن کریم کی ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک نصیحت ہے جو لوگوں کو مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے، دلوں کی بیماریوں کیلئے نسخۂ شفا ہے۔ وصول

الی اللہ اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو دنیا و آخرت میں رحمت الٰہیہ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک اس آیت میں نفسِ انسانی کے مراتبِ کمال کی طرف اشارہ ہے یعنی جو شخص قرآن کریم سے تمسک کرے اُن تمام مراتب پر فائز ہو سکتا ہے .... امام فخرالدین رازیؒ نے جو تقریر کی ہے اس میں ان چار لفظوں سے شریعت' طریقت' حقیقت اور نبوت و خلافت کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے"۔

سید قطب شہید نے بڑی پیاری بات کہی ہے:

فبھذا الفضل الذی اٰتاہ اللّٰہ عبادہ۔ وبھذہ الرحمۃ التی افاضھا علیھم من الایمان۔ فبذلک وحدہ فلیفرحوا فھذا ھوالذی یستحق الفرح۔ لا المال ولا اعراض ھذہ الحیاۃ"

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے قرآن حکیم کی عظمت و اہمیت اور صحابہ کرامؓ کے حوالے سے اس کے کارنامے کو بڑے دلنشین انداز میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"قرآن نے ان کا فکر بدلا' سوچ بدلی' نقطۂ نظر بدلا' اقدار بدلیں' عزائم بدلے' امنگیں بدلیں' شوق بدلے' دلچسپیاں بدلیں' خوف بدلے' امیدیں بدلیں' اخلاق بدلے' کردار بدلے' خلوت بدلی' جلوت بدلی' انفرادیت بدلی' اجتماعیت بدلی' دن بدلا' رات بدلی ...... الغرض پوری کائنات بدل کر رکھ دی"

قرآن حکیم ایک زندہ اور روشن معجزہ ہے۔ اس کے اولین مخاطب عرب تھے' اس لئے قرآن حکیم کے فکر انگیز مضامین' اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کی صوتی تاثیر سننے والوں پر ایک مسحور کن کیفیت پیدا کر دیتی۔ قرآن حکیم کی لبریزِ معانی آیات جہاں فرزندانِ توحید کے روح و قلب میں پسی ہوئی بجلیوں کی طرح تحلیل ہو کر ان میں جذب و شوق پیدا کرتیں وہاں کفّار بھی اس کی اثر آفرینی کو محسوس کرتے ہوئے بے ساختہ **لَا تَسۡمَعُوۡا لِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ** پکار اٹھے۔ لوگ قرآن حکیم کے اس قدر دلدادہ تھے کہ قرآن گنگنا کر پڑھتے۔ علامہ خضری کے بقول عہد عباسی میں حفاظ قرآن کی تعداد میں بکثرت اضافہ ہوا۔ عہد عباسی علوم و فنون کی تدوین کا دور ہے۔ اسلامی علوم و فنون کا مخزن و محور قرآن حکیم ہی تھا۔ تاہم براہ راست قرآن حکیم کے تفسیری ادب پر بکثرت کام ہوا۔ اسلام جیسے جیسے غیر عرب

اقوام میں پھیلتا چلا گیا قرآن حکیم کے تراجم و تفسیر کی ضرورت زیادہ پیش آتی چلی گئی اور تفاسیر کا ایک عظیم ذخیرہ معرضِ ظہور میں آیا۔ تاہم ڈاکٹر صاحب نے بجا طور پر اس امر کی نشاندہی کی ہے کہ:

"جب اسلام مملکت اور سلطنت کے دور میں داخل ہوا تو اصل زور ایمان کے بجائے اسلام پر، یقین کے بجائے اقرار اور شہادت پر اور باطن سے بڑھ کر ظاہر پر ہوگیا۔ نتیجۃً قرآن حکیم کے بھی منبعِ ایمان اور سرچشمۂ یقین ہونے کی حیثیت مؤخر اور نگاہوں سے اوجھل ہوتی چلی گئی اور کتابِ قانون اور یکے از ادلۂ اربعہ ہونے کی حیثیت مقدم اور مرکزِ توجہ بنتی چلی گئی"۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی عربی، اردو، فارسی، پنجابی اور دیگر مقامی زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم و تفسیر پر بکثرت کام ہوا۔ لیکن بقول ڈاکٹر صاحب:

"آغاز کار میں اس میں ان گروہوں نے بھی حصہ لیا جو بعد میں انتہائی غلط راہوں پر چل نکلے اور **ضلّوا واضلّوا** کا مصداق کامل بن گئے۔ ان میں وہ بھی ہیں جو **ضَلُّوا ضَلٰلًا بَعِيدًا** کی اس حد تک پہنچ گئے کہ امت کو مجبوراً اُن کا تعلق اپنے سے منقطع کرنا پڑا جیسے قادیانی۔ اور وہ بھی ہیں جن کی یا تو گمراہی اس درجے کی نہ تھی یا اہمیت اتنی نہ تھی کہ یہ انتہائی قدم اٹھایا جاتا جیسے چکڑالوی و پرویزی۔ تاہم چونکہ انہوں نے بھی قرآن حکیم کی جانب ارتکازِ توجہ کے عمل میں صحیح یا غلط طور پر کچھ حصہ لیا ہے لہٰذا ان کا ذکر کیا جا رہا ہے ... اسے کسی بھی درجہ میں ان کی تائید کے مترادف نہ سمجھا جائے"۔

ڈاکٹر صاحب نے اس بارے میں دیگر مفسرین کے ذکر کے ساتھ سر سید احمد خان مرحوم، مولوی عبداللہ چکڑالوی اور محمد علی لاہوری کی تفاسیر کا ذکر کیا ہے۔

مقالے کے دوسرے حصے میں مجھے انہی مذکورہ بالا متجدّدین کے گروہ کے تفسیری رجحانات اور تفسیری "کارناموں" کا ذکر کرنا ہے، میں انہیں بلا تبصرہ پیش کر رہا ہوں۔ تاکہ سامعین دریا کا نظارہ اس کی اٹھتی ہوئی موجوں سے براہ راست کر سکیں اور محترم ڈاکٹر صاحب کے قول "**ضلّوا و اضلّوا**" کی حقیقت کی ایک جھلک ان کے سامنے آجائے۔ سورۃ البقرہ

آیت نمبر ۶۰ "**فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ**" کی تفسیر کرتے ہوئے سر سید احمد خاں رقمطراز ہیں:

"یعنی اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس پہاڑی پر چڑھ چل۔ اس پہاڑی کے پرے ایک مقام ہے جس کو توریت میں ایلم لکھا ہے۔ وہاں بارہ چشمے پانی کے جاری تھے"۔

ڈاکٹر عبدالحکیم نے اسی مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"We said: Climb up the rock with thy rod; and there twelve fountains gushed out."

مولوی عبداللہ چکڑالوی نے عصا سے مراد لاٹھی کے بجائے گروہ لیا۔ لکھتے ہیں:

"فرمایا ہم نے چلا جا تو ساتھ اپنے گروہ کے چشموں والے پہاڑ کی طرف پس (جاکر دیکھا تو وہاں) بہہ رہے تھے اس پہاڑ سے بارہ چشمے بڑے بڑے"۔

خواجہ احمد دین نے اس کی تفسیر میں ایک نئی بات پیدا کی ہے۔ تفسیر میں لکھتے ہیں:

"موسیٰ کا عصا ایسا تھا جو بکریاں چرانے والوں کے پاس ہوا کرتا ہے۔ اس میں لوہا بھی لگا ہوتا ہے اسی عصا سے پہاڑ کو مناسب موقع پر ضرب لگانے کا حکم ہوا تھا"۔

مولوی محمد علی لاہوری اپنی اردو تفسیر میں لکھتے ہیں:

"کسی پتھر کے شق ہو جانے سے پانی کے چشمے کا نکل آنا بھی ایک معمولی واقعہ ہے لیکن بارہ قبیلوں کے ان چشموں پر آباد ہونے کیلئے یہی معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں کہ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ"۔

بشیرالدین محمود نے ایک نیا نکتہ پیدا کیا۔ لکھا ہے:

"اپنا سونٹا فلاں پتھر پہ مار"

غلام احمد پرویز نے بڑے ادیبانہ رنگ میں اس مفہوم کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"تم اپنی تاریخ کے اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب تمہیں پانی کی دقت ہوئی اور موسیٰ نے اس کیلئے ہم سے درخواست کی تو ہم نے اس کی راہنمائی اس مقام کی طرف کر دی جہاں پانی کے چشمے مستور تھے۔ وہ اپنی جماعت کو لے کر وہاں پہنچا۔ چٹان پر سے مٹی ہٹائی تو اس میں سے ایک دو نہیں اکٹھے بارہ چشمے پھوٹ نکلے"

غرقِ فرعون کے واقعے کو محمد علی لاہوری نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"The Israelites passed when the sea receded on account of the ebb, and the Egyptians were drowned because the tide was on the time...."

بشیرالدین محمود نے یہی مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"اس وقت جوار بھاٹا کے اصول کے مطابق سمندر پیچھے ہٹ گیا اور قوم موسیٰ سمندر سے نکل گئی مگر فرعون کے لشکر کے آنے پر پانی کے لوٹنے کا وقت آگیا اور وہ ڈوب گیا"

اسی طرح کا مفہوم دیگر متجددین نے مثلاً یعقوب علی تراب قادیانی، سرسید احمد خاں، غلام احمد پرویز نے بیان کیا ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ...... کی تشریح کرتے ہوئے غلام احمد پرویز نے لکھا ہے:

"مخالفین کی جن ریشہ دوانیوں کی طرف پیچھے اشارہ کیا گیا ہے ان میں آخری سکیم یہ تھی کہ رسول کو چپکے سے قتل کر دیا جائے لیکن خدا کی اسکیمیں اتنی بلند و برتر ہیں کہ وہ ان کے قیاس و گمان میں بھی نہیں آسکتیں چنانچہ وہ اپنی اسکیم کے مطابق اپنے بندے کو راتوں رات بیت الحرام (مکہ) سے نکال کر (مدینہ کی) کشادہ سرزمین کی طرف لے گیا تاکہ اس دور دراز مقام میں جا کر نظام خداوندی کی تشکیل کرے۔ ہم نے اس مقام اور اس کے گردوپیش کو بڑا بابرکت بنایا ہے، اس کی فضا آسمانی انقلاب کیلئے بڑی سازگار ہے"

سورۃ الفیل کی تفسیر میں محمد علی لاہوری نے تحریر کیا ہے:

"اور پرندوں کے بھیجنے میں اشارہ یہ ہے کہ جب لاشیں چھوڑ کر لشکر بھاگ گیا تو پرندوں نے انہیں نوچ نوچ کر پتھروں پر مارا اور کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا"

ڈاکٹر بشارت قادیانی نے نیا نکتہ پیش کیا ہے:

"اغلب ہے کہ کسی دلدل میں جو جراثیم سے بھری ہوئی ہو بیٹھ کر اڑے ہوں۔ ان کے پنجوں پر وہ سوکھی ہوئی کیچڑ لگی ہو جو ابرہہ کے لشکر پر گری اور چیچک کے پھیلنے کا موجب ہو گئی"

مولوی محمد عبداللہ چکڑالوی نے معجزاتِ عیسیٰ (۳:۴۹) کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے:

"(اور میں یہ سب کچھ کروں) مطابق ارشاد کتاب اللہ کے اور میں بینا کروں ایمانی

اندھوں کو، اور خالص نرالا مومن بناؤں میں ایمانی پھلبہری والوں کو، خصوصاً زندہ کروں میں ایمانی مردوں کو مطابق ارشاد کتاب اللہ کے ......"

مرزا بشیر الدین محمود نے اس مفہوم کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"میں تمہارے (فائدہ کے) لئے بعض طینی خصلت رکھنے والوں سے پرندہ (کے پیدا کرنے) کی طرح (مخلوق) پیدا کروں گا۔ انسانوں میں سے روحانی قابلیت کے لوگوں کو اپنی تربیت میں لے کر ایک دن اس قابل بنا دیتا ہوں کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف روحانی پرواز کرنے والے بن جاتے ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ میں خدا بن جاؤں گا اور نہ یہ مراد ہے کہ زندہ پرندے پیدا کروں گا"

غلام احمد پرویز نے قرآن حکیم کی ان آیات کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"وہ اس مردہ قوم سے کہے گا کہ میں تمہارے نشوونما دینے والے کی طرف سے زندگی بخش پیغام لے کر آیا ہوں۔ میں اس "وحی کے ذریعے" تمہیں ایسی حیاتِ نو عطا کروں گا جس سے تم اپنی موجودہ پستی (خاک نشینی) سے ابھر کر فضا کی بلندیوں میں اڑنے کے قابل ہو جاؤ گے اور اس طرح تمہیں فکر و عمل کی رفعتیں نصیب ہو جائیں گی"

اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ کا ترجمہ کیا ہے:

"یہ آسمانی روشنی تمہاری بے نور آنکھوں کو ایسی بصیرت عطا کر دے گی جس سے تم زندگی کے صحیح راستے پر چلنے کے قابل ہو جاؤ گے"۔

حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں مولوی عبداللہ چکڑالوی نے نملہ کو شہزادیٔ نملہ قرار دیا ہے۔ **وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ** میں "جبال" سے مراد پہاڑی لوگ لئے ہیں۔ ان کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

"فرمانبردار بنا رکھا تھا ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑی لوگوں کو بھی۔ ان کی جماعت بھی قرآنی نمازیں پڑھتی رہتی تھی اور قوم طیر بھی ہماری فرمانبردار تھی ......"

محمد علی لاہوری نے "ہدہد" کے بارے میں لکھا ہے:

"یہ ساری مشکلات اس بات کا نتیجہ ہیں کہ ہدہد سے مراد یہاں پرندہ ہدہد لیا جاتا ہے حالانکہ اس کا جو کچھ ذکر یہاں آیا ہے وہ صاف بتاتا ہے کہ وہ انسان تھا"

غلام احمد پرویز نے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ کا ترجمہ اس طرح لیا ہے:

"وہ انقلاب کی گھڑی (جس کے متعلق ان سے اتنی مدت سے کہا جا رہا تھا) بالکل قریب آپہنچی ہے اب ان مخالفین عرب کی قوت و شوکت ختم ہو جائے گی اور ان کا پرچم (جس پر قمر کا نشان ہے) ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا"

مرزا بشیر الدین محمود نے فرعون کے جادوگروں اور حضرت موسیٰ کے عصا کے بارے میں یہ انکشاف کیا ہے (۷:۱۱۸)

"اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی رسیوں میں لوہے کے پیچ چھپائے ہوئے تھے اور سونٹوں میں پارہ بھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ حرکت کرتے تھے جیسے آج کل کے یورپ کے کھلونے ہوتے ہیں۔ موسیٰ نے جب ان پر اپنا عصا مارا تو پیچ ٹوٹ گئے اور پارہ نکل گیا اور سب فریب ظاہر ہوگیا۔ اسے محاورہ کی زبان میں نگلنا کہا گیا ہے"

محمد عبداللہ چکڑالوی نے "ذبح ابناء" کی تشریح (البقرہ: ۴۹) یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَکُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَکُمْ کی تفسیر اس طرح لکھی ہے:

"ذبح اور قتل سے اس جگہ صرف ذلت اور حقارت ہی مراد ہو سکتی ہے اور ابناء سے مراد ہیں ذی عزت اور ذی قوۃ لوگ ...... نساء سے مراد ہیں فقیر حقیر غریب اور عوام الناس"

یہ ایک جھلک ہے متجددین کے تفسیری کارناموں کی۔ ورنہ مضمون بہت وسیع ہے۔ بہرحال اس جھلک سے ان متجددین کے تفسیری رجحانات کا اندازہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صد تحسین و ستائش کے مستحق ہیں کہ وہ قرآن حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیانے پر اشاعت کیلئے سعئ بلیغ انجام دے رہے ہیں۔ اگرچہ مادّیت کے اس دور میں یہ بڑا کٹھن اور دشوار کام ہے لیکن بقول علامہ اقبال ؎

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لا تخف